البقرۃ : 243

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ

(کیا آپ نے انکو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے اور وہ کئی ہزار تھے)

پچھلی آیتیں احکامِ شریعت (عبادات اور معاملات) کے بارے میں تھی۔ اب یہاں اور آگے اللہ کے راستے میں جہاد (جہاد فی سبیل اللہ) اور اللہ کے راستے میں خرچ (انفاق فی سبیل اللہ) کے بارے میں ہیں۔ رکوع 33 - 32 میں قتال فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں قتال) کا مضمون ہے۔ اسکے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کا بھی مضمون ہے لیکن اصلاً ان دونوں رکوع میں قتال فی سبیل اللہ کی بات ہے۔ چونکہ یہ سورت غزوہ بدر سے قبل نازل ہو رہی تھی۔ اسکے کچھ ہی عرصے بعد غزوہ بدر پیش آنے والی تھی۔ لہذا مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کیا جا رہا ہے۔ اسلیے اِن رکوع میں سابقہ امت مسلمہ کی تاریخ میں جو غزوہ بدر ہی کی حیثیت رکھنے والی جنگ تھی اسکا ان رکوع میں تذکرہ کیا گیا۔
اِس آیت سے آگے جہاد کا مضمون شروع ہو رہا ہے اسلیے اُس سے پہلے ہی اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہیں دیکھا **تَرَ** واحد کا صیغہ ہے۔ یہ خطاب نبی ﷺ سے ہے۔ قرآن میں کئی بار خطاب نبی ﷺ سے ہوتا ہے اور نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی امت کو بھی نبی ﷺ کے توسط سے خطاب کیا جاتا ہے۔
تَرَ (رءی) صرف آنکھوں سے دیکھنا ہی معنی نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی چیز پر غور و فکر کرنے کے بھی معنی میں آتا ہے۔ (یٰس: 77) ← کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے… اِسی طرح علم کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی کیا آپکو پتہ نہیں ہے یا کیا آپکو علم نہیں ہے؟ یہ سوال کا ایک انداز ہے۔ اسکے بعد ایک خاص واقعہ بیان ہونے والا ہے۔ اسطرح کے سوال کا انداز انسان کی توجہ اپنی طرف کرتا ہے۔ سننے والے کا شوق بڑھاتا ہے اور تعجب دلاتا ہے۔ پھر انسان غور اور توجہ سے سننے کے لائق ہوتا ہے۔ اس میں جاننے کا تجسس (curiosity) بڑھتا ہے۔ علم کی طلب بڑھتی ہے۔

اِلَى الَّذِيْنَ (ان لوگوں کی طرف) یہ لوگ کون تھے اسکے بارے میں پورے قرآن میں اور حدیثوں میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اسرائیلی روایات ملتی ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ بنی اسرائیل کے لوگ تھے اور کسی نے کہا کہ یہ کسی اور قوم کے لوگ تھے۔ یاد رکھیے! کہ قرآن تاریخ (history) کی کتاب نہیں ہے۔ اگر قرآن میں کوئی ماضی کی خبر بھی بیان ہوتی ہے تو وہ کچھ عبرت یا کچھ سبق حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ حکمت ہوتی ہے۔ اب وہ کون سی قوم تھی یہ معلوم بھی ہو جائے تو اس سے کوئی عبرت تو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسطرح کی کئی باتیں قرآن میں ملے گی جس میں نام ذکر نہیں کیئے گئے۔ اگر نام ذکر کیا جائے تو انسان اصل بات پر توجہ کرنے کے بجائے ناموں پر توجہ کرنے لگتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ واقعہ بیان کرنے کا اصل مقصد اور اصل پیغام کیا ہے۔ اُس سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ ناموں میں الجھ کر نہیں رہنا ہے۔ اگر سبھی کے نام ذکر کیئے جائے تو ہمیں کبھی سوچنا پڑتا ہے کہ یہ کس کا نام تھا۔ دھیان سوچنے میں ہی لگ جاتا اور ہم اسی میں الجھ جاتے۔ بہرحال

یہ لوگ کون تھے؟ کب نکلے تھے؟ ان کا گھر کہاں تھا؟ کہاں وہ نکل کر گئے تھے؟ کتنے دنوں تک وہ مردہ رہے؟ کتنے دنوں بعد زندہ ہوئے؟… یہ ساری تفصیلات اللہ نے نہیں بیان فرمائی۔ علماء کہتے ہیں کہ جب یہ آیت بیان کی گئی تھی تو اس آیت کے پس منظر (Background) میں جو واقعہ ہے اسکی تفصیل اہلِ عرب کو پتہ تھی۔ اسلیے قرآن میں اسکے بارے میں زیادہ کچھ نہیں بتایا گیا۔ صرف اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا۔ دوسری بات اگر کسی کو اس واقعہ کی تفصیل نہیں بھی پتہ ہے تو یاد رکھیے! وہ لوگ جو بھی ہوں اصل مقصود یہ جاننا نہیں ہے کہ وہ لوگ کون تھے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ اِس واقعہ میں ہمارے لیے ان لوگوں کے عمل میں کیا سبق ہیں

خَرَجُوْا…. حَذَرَ الْمَوْتِ ← یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر سے وہ اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ اُنھیں موت کا ڈر کیوں تھا اسکی بھی وضاحت ہمیں قرآن میں نہیں ملتی۔ لیکن مفسرین کے الگ اقوال ملتے ہیں کہ انھیں موت کا ڈر کس وجہ سے تھا:

1> **طاعون :-** بعض مفسرین نے کہا کہ انکے علاقے میں بہت شدید طاعون (Plague) کی بیماری پھیلی تھی اسلیے طاعون کے خوف سے وہ اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ **بخاری :-** … آپ ﷺ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو پہلے بنی اسرائیل کے گروہ پر بھیجا گیا تھا یا آپ ﷺ نے فرمایا ایک گزشتہ امت پر بھیجا گیا تھا۔ اسلیے جب کسی جگہ کے بارے میں تم سنو (کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے) تو وہاں نہ جاؤ۔ لیکن اگر کسی ایسی جگہ یہ وبا پھیل جائے جہاں تم پہلے سے موجود ہو تو وہاں سے مت نکلو"۔

2> **جہاد :-** بعض مفسرین نے کہا کہ انھیں اللہ نے جہاد کا حکم دیا تھا اسلیے لڑائی کے خوف سے وہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیاق (context) کے حساب سے یہاں طاعون کی بات مناسب نہیں لگتی کیونکہ یہاں کہا گیا کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے اسلیے مقابل فوج سے وہ جیت سکتے تھے۔ اُنکے پاس کئی لوگ تھے پھر بھی وہ ڈر گئے۔ اگر بیماری (طاعون) کا مسئلہ ہوتا تو "ہزاروں کی تعداد" کے ذکر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ اور دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ آگے کی آیتوں میں قتال ہی کا ذکر ہو رہا ہے اُسکی مناسبت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ لوگ جو گھر چھوڑ کر گھر سے باہر نکلے تھے وہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں نکلے تھے بلکہ قتال کے خوف سے اُنکے اندر مقابل فوج سے لڑنے کی ہمت نہیں تھی اسلیے یہ اپنے علاقے سے نکل گئے تھے۔ حالانکہ انکی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے علاقے کی حفاظت کرتے۔
اسرائیلی روایات میں اور بھی کئی باتیں آتی ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ واقعہ اور آگے جو جہاد کا واقعہ ہے وہ ایک ہی پس منظر میں ہیں۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا

(پھر اللہ نے ان سے کہا: تم مر جاؤ)

اللہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف کہتا ہے کہ "كُنْ" (ہو جاؤ) تو وہ ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اگر کسی چیز کو کہے "زندہ ہو جاؤ" تو وہ زندہ ہوتی ہے اور اگر اللہ کسی چیز کو کہے "مر جاؤ" تو وہ مر جاتی ہے۔ اللہ نے ان سب کو کہا مر جاؤ تو سب مر گئے۔ یہاں "اور وہ سب مر گئے" (وَمَاتُوْا) کو حذف کیا گیا ہے۔ یہ بلاغت کے قاعدے میں آتا ہے کہ کسی چیز کو حذف کرکے مختصر کر دینا۔ بہرحال

اللہ نے ان سب کو کہا مر جاؤ تو سب مر گئے۔ حالانکہ وہ موت کے ڈر سے بھاگے تھے لیکن موت نے انھیں نہیں چھوڑا۔ یاد رکھیے! کوئی بھی شخص موت سے نہیں بھاگ سکتا۔ اور جس جگہ موت اسکی لکھی ہوتی ہے وہاں ہی خود وہ شخص پہنچ جاتا ہے۔ ہر ایک کی موت کا وقت اور جگہ پہلے ہی سے لکھے ہوتے ہیں۔ موت کا خوف انسان کے اندر بزدلی پیدا کرتا ہے۔ یہ لوگ موت کے ڈر سے گھر چھوڑ کر ہی اور چلے گئے وہی وہ سب مر گئے۔

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ

(پھر انھیں زندہ کر دیا)

پھر اللہ نے انھیں زندہ کیا۔ حقیقت میں وہ زندہ ہوئے تھے۔ کچھ لوگوں نے اِسکی غلط تاویل کرتے ہوئے کہا کہ زندگی سے مراد "کامیابی یا عروج یا ذلت سے باہر آنا ہے"۔ یہ غلط تاویلیں ہیں۔

کچھ لوگوں نے اسکی غلط تفسیر کی ہے کہ وہ حقیقت میں نہیں مرے تھے بلکہ اس سے مراد وہ زوال کا شکار رہے اور وہ مظلوم بن کر رہے۔
جب بھی قرآن میں کوئی معجزاتی بات آتی ہے تو کچھ گمراہ لوگ اسکی تاویل کرکے کوئی اور معنی وہ بیان کرتے ہیں۔ خاص طور پر جن باتوں کو سائنس قبول نہیں کرتی ان باتوں کو ایسے بتا دیتے ہیں کہ وہ سائنس کے موافق ہو جائے۔ چونکہ سائنس اِس بات کو قبول نہیں کرتی کہ موت کے بعد زندگی ہے اسلیے کچھ لوگوں نے موت سے مراد زوال یا پستی لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد حقیقی موت نہیں ہے۔ اور زندگی سے مراد "کامیابی" ہے۔ یہ بالکل غلط تفسیر ہے کیونکہ قرآن سے ہی یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ موت سے مراد حقیقی موت اور زندگی سے مراد حقیقی زندگی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ

(بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔)

اللہ تو لوگوں پر احسان کرتا ہے لیکن اکثر لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ **عَلَى النَّاسِ** تمام لوگوں پر اللہ فضل کرتا ہے صرف مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں پر بھی اللہ احسان کرتا ہے۔ دنیا میں اللہ کا فضل ہر ایک کے لیے ہے۔ آخرت میں صرف مومنوں پر اللہ کا فضل ہوگا۔
اکثر لوگ دنیا میں ناشکرے ہیں۔ اور بھی دوسرے مقامات پر قرآن میں اللہ نے یہی بات کہی ہے کہ اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ شکر کرنے والے بندے تعداد میں بہت ہی کم ہیں۔
شکر کرنا بھی عبادت ہے۔ پانچ چیزیں کرنے سے انسان شکر گذار بندہ بنتا ہے۔

1> انسان اللہ کی نعمتوں کی قدر کرے۔ (سب سے بڑی نعمت ایمان کی نعمت ہے۔ پھر صحت، کھانا پینا، ہوا، مکان، آنکھیں، کان، زبان، پیسہ،….)

2> یہ اعتراف کرنا کہ یہ نعمتیں اللہ نے دی ہے۔ (یہ نہ سمجھے کہ یہ سب کچھ میری قابلیت کی وجہ سے ملی ہے۔)

3> ان نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے بلکہ فرمابرداری میں استعمال کرے۔ (مال کا استعمال شراب، جوے یا موسیقی وغیرہ میں کر رہے ہیں تو یہ اللہ کی نافرمانی اور ناشکری ہے۔ اِسی طرح اگر زبان جیسی نعمت کا استعمال جھوٹ اور گالی دینے میں استعمال کر رہے ہیں تو یہ بھی ناشکری ہے)

4> دنیا میں جو لوگ اُس نعمت کو حاصل کرنے کا سبب بنے، اُن کا بھی شکر کرے۔ (**ترمذی :-** "جو بندوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر یہ ادا نہیں کرتا۔")

5> اگر حسد یا فتنے کا خوف نہ ہو تو اس نعمت کا ذکر زبان سے کرے۔ (**الضحیٰ : 11** ← اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کیجیئے۔)

یہ پانچ چیزیں کر دیئے تو شکر گذاری آئیگی۔ یہ آسان نہیں ہے۔ صرف زبان سے الحمد للہ کہنا آسان ہے لیکن صرف زبان سے کہنے سے شکر گذاری نہیں آتی۔
یہ پانچ چیزیں کرنے کے باوجود بھی کوئی شکر کا حق تو ادا نہیں کر سکتا۔ شکر دل، زبان اور عمل میں بھی ہوتا ہے۔ گناہ کا کام کرنا ناشکری ہے اور گناہوں سے بچنا شکر گذاری ہے۔
اِسی طرح اللہ نے جو کچھ دیا ہے اسکی قدردانی کرے اور اس سے راضی ہو۔ اپنے سے نیچے والے لوگوں کو دیکھے۔ لیکن دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والوں کو دیکھے۔
اگر کم نعمت پر بھی شکر گذاری ہوگی تو اس میں بھی بڑی برکتیں ہوگی اور اللہ اور زیادہ بھی ادا کر دے گا۔ **ابراھیم : 7 :-** اگر (میرا) شکر ادا کروگے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔
لیکن لوگوں کی اکثریت ناشکر گذار ہیں۔ اسلیے علماء کہتے ہیں کہ کسی چیز کے حق ہونے کے لیے اکثریت دلیل نہیں ہوتی۔ شریعت میں نہ قلت دلیل ہوتی ہے اور نہ ہی کثرت دلیل ہوتی ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں اسلیے ہم حق پر ہیں۔ اگر اکثریت کو دلیل بنائے تو ناشکری صحیح ہوگی کیونکہ اکثریت ناشکرے ہیں۔ اسلیے اکثریت کا ہونا حق ہونے کی دلیل نہیں ہیں۔

اِس آیت کے آخر میں شکر گذاری کی بات کیوں ہیں؟

1> موت کے بعد زندگی کی نعمت اللہ نے دی۔

2> کسی نے کہا کہ اگر یہ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے تو اللہ نے انھیں نبوت، بادشاہی، کتاب وغیرہ جیسی نعمتیں ادا کی لیکن انھوں نے ہمیشہ اللہ کی نافرمانی کی۔ اور ان نعمتوں کی قدر نہیں کی اور اکثر لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نعمت پا کر شکر گذار نہیں ہوتے۔ حالانکہ آخر میں سب کچھ چلا جاتا ہے پھر نعمت انکے پاس نہیں رہتی بلکہ کسی اور کو مل جاتی ہے۔